گھڑی

سبط حسن نقوی

337/426، ٹیپ والی گلی، سلطان بہادر روڈ، منصور نگر، لکھنؤ۔226003، موبائل: 9305279697

شیلا نے ڈائننگ ٹیبل سے ٹھیک داہنی طرف دیوار پر لگی گھڑی پر نظر ڈالی اور ریکھا سے کہا، اچھا بہن! اب میں چلتی ہوں۔ کہاں جاؤ گی بیٹھو، وہ تو شام کو آئیں گے؟ شیلا نے مسکرا کر کہا، ان کی مجھے فکر نہیں۔ بے چارے بڑے سیدھے ہیں۔ دراصل ۴ بجنے والے ہیں۔ ۱۵ منٹ رہ گئے ہیں، مونو اسکول سے آتا ہوگا۔ تو آجائے گا۔ کیا آیا گھر پر نہیں ہے؟ ریکھا نے پوچھا۔ نہیں وہ تو ہے، لیکن میرا ہونا ضروری ہے۔ مجھے اسے پانچ بجے میری میم کے یہاں ٹیوشن بھیجنا ہے، بے چاری آیا یہ سب تھوڑی کرسکتی ہے اور مونو اس کے بس میں بھی نہیں ہے۔

شیلا ابھی گھر پہنچی ہی تھی کہ تھوڑی دیر بعد بیل بجی۔ یہ بیل کس نے بجائی تھی؟ اس سوال کا جواب آیا اور شیلا دونوں کو معلوم تھا۔ آیا نے کہا مونو آگیا اور ذرا تیز قدموں سے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ اندازہ بالکل ٹھیک تھا۔ مام میں آگیا۔ مونو کا جملہ اتنا پرانا ہو چکا تھا کہ شیلا نے اس کا کوئی زبانی جواب نہیں دیا۔ جب سے وہ اسکول گیا تھا، اسی روز سے یہ جملہ اس کا واپسی کا تکیۂ کلام تھا۔

مونو گول مٹول اور باڑھ کا ٹھیک، چہرے، مہرے قد وقامت سے آٹھویں کلاس کا طالب علم معلوم ہوتا تھا اور تھا بھی وہ آٹھویں میں۔ مونو ہمیشہ اریتھ کہتا، وہ کسی انگلش میڈیم اسکول میں پڑھتا تھا۔

مونو کو دیکھ کر شیلا نے ایک اسمائل دی، جس کا مونو پر کوئی اثر نہیں ہوا، شاید اس کو بھی اسمائل باسی لگی ہو۔ مونو نے اپنا بھاری بیگ اُتارا اور الماری کھول کر اس میں رکھ دیا اور الماری کا دروازہ بھی بند کرنا نہیں بھولا۔ اس نے جوتے شیلف میں رکھے، یونیفارم اُتار کر سلیقے کے ساتھ ہینگر میں رکھ کر کپڑوں کی الماری میں ٹانگی، اس نے گھریلو کپڑے پہنے۔ یہ سارے کام مونو نے اتنی مشاقی سے کیے کہ جیسے وہ ایک مشین ہے۔ مشین کیوں؟ خوبصورت روبوٹ۔

مام بھوک لگی ہے۔ یہ آواز سنتے ہی، شاید آواز کے بس شروع ہوتے ہی، شیلا نے کہا آیا جی مونو کا کھانا لگا دیجیے۔ مونو ٹیبل کے گرد بچھی اسی کرسی پر بیٹھا جس پر روز بیٹھتا تھا۔ ابھی مونو کا کھانا آخری مرحلہ میں تھا کہ شیلا کی ہلکی آواز گونجی، جس کو مونو نے خود مکمل کردیا، کھانا کھا کے.... لیٹنا نہیں ہے مونو نے جملہ پورا کردیا۔ مونو کی اس بات پر شیلا کو ہنسی نہیں آئی۔ ہاں! جب پہلی بار اس جملہ کو مکمل کیا تھا وہ کھل کھلا کر ہنسی اور شام کو مونو کے ڈیڈی کو بتا کے ان کے ساتھ بھی کافی دیر تک ہنستی رہی تھی۔

پانچ بجنے سے پہلے روز کی طرح مونو میری میم کے یہاں جانے کو تیار تھا۔ میم کا گھر زیادہ دور نہیں تھا ہوگا بس دو، ڈھائی سو میٹر۔ وہ گرین اپارٹمنٹ کے فرسٹ فلور پر رہتی تھیں۔ وہ ایک عیسائی خاتون تھیں، بڑی محنت سے بچوں کو پڑھاتیں۔ آس پاس کے بہت سے بچے میم کے یہاں اسی غرض سے آتے۔ زیادہ تر وقت ان کا پڑھانے میں گزرتا، لیکن تھکن کا کوئی سوال نہیں۔ شاید ان کو پڑھانے میں مزہ آتا تھا۔

مونو، میم کے یہاں ہمیشہ زینے چڑھ کر جاتا، جب کہ تقریباً سبھی بچے لفٹ کا استعمال کرتے تھے۔ مونو کی مام نے مونو کو ڈرا دیا تھا کہ لفٹ چلتے چلتے رُک سکتی ہے اور کوئی بھی اس میں پھنس سکتا ہے۔ مونو نے سوچا اگر ہم اس میں بند ہوگئے تو کیا ہوگا؟ خالی اس خیال ہی سے مونو کا دم گھٹنے لگا تھا، اس نے پھر کبھی لفٹ میں سوار ہونے کی ہمت نہیں کی۔ دوسرے بچوں کی ہزار کوششوں کے باوجود مونو نے زینہ نہیں چھوڑا۔ اب تو لڑکوں نے اس سے کہنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

میم کے گھر میں مونو کو مزہ آتا تھا، اس کا سبب ان کا پڑھانے کا انداز نہیں، گھر کے اندر کا ماحول تھا۔ وہاں بہت سے پالتو جانور، ایکیوریم میں نایاب مچھلیاں، چھوٹے بڑے پنجروں میں رنگ برنگی خوبصورت چڑیاں، خرگوش اور بلیاں تھیں۔ بلیاں اور خرگوش تو میم کی گود میں بیٹھ جاتے اور ہمارے چھونے کا برا بھی نہیں مانتے۔ گھر، گملوں

میں پھولدار پودوں سے سجا اور مہکا ہوا تھا۔ ویسے تو کوئی بچہ پھول توڑتا نہیں،لیکن اگر کبھی کسی نے شیطانی کر بھی دی،تو،میم مارنے کے بجائے مسکرا دیتی تھیں۔

شیلا نے گھڑی کی طرف دیکھا اور آیا جی سے کہا چھ بجنے والا ہے، منو اور مونو کے ڈیڈی آتے ہوں گے،آپ ناشتہ تیار کیجیے۔اب آیا نے یہ کہنا چھوڑ دیا تھا کہ بہن جی! بھائی صاحب کو آنے دیجیے، ناشتہ تیار ہو جائے گا،اگر بھائی صاحب کو ذرا تاخیر ہوئی تو چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔آیا نے یہ کہنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ بھائی صاحب لگتا تھا آفس گئے ہی نہ ہوں اور بس دروازے کے باہر کھڑے ہوں،اس انتظار میں کہ چھ بجے اور ہم بیل بجائیں۔ بھائی صاحب بھی بڑے اچھے آدمی تھے،ان کو معلوم تھا کہ ناشتے کا وقت کیا ہے؟ اگر ان کو کبھی دیر ہوتی تو وقت سے پہلے فون کر کے بتا دیتے اور فون کٹتے ہی شیلا کی آواز بلند ہوتی،آیا جی بھائی صاحب کی چائے نہ بنایئے گا۔

آیا کو شیلا کے یہاں ویسے تو کوئی پریشانی نہیں تھی، تین لوگوں کا پریوار،کام نہ زیادہ کاج اور وقت پر پگار،اسے اس سے زیادہ اور کیا چاہیے تھا۔ پکنا پکانا بھی نپا تلا،ایسا لگتا تھا ان کے پیٹ پیالہ ہیں جس میں ایک ناپ کا روز کھانا آتا ہے۔ پھر بھی اسے یہاں،ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ ایک مشین ہے اور اس کا بٹن گھڑی میں لگا ہے اور گھڑی کا کھٹکا شیلا کے دماغ میں اور دیوار پر چلتی ہوئی گھڑی اسے چلا رہی ہے۔اس کو گھڑی پر کبھی کبھی غصہ بھی آجاتا اور بڑے زور کا،لیکن یہ سوچ کر کہ یہ گھڑی ہے،اس کی ہنسی چھوٹ جاتی، جھنجھلاہٹ غائب اور سر ہلکا ہو جاتا۔

ناشتے کے بعد مونو تو ریڈنگ روم کے ہو جاتے اور شیلا اور راکیش آفس کی باتوں میں مشغول۔ یہ وقت انھوں نے اسی کے لیے وقف کیا تھا۔راکیش نے کہا،شیلا جانتی ہو آج کیا ہوا؟ شیلا....کیا؟ اپنے بڑے بابو سنگھ صاحب، بھلے آدمی ہیں بے چارے، آج کل اپنے لڑکے سے بہت پریشان ہیں۔ اس نے ضد پکڑ لی ہے کہ وہ یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہ کر پڑھے گا۔ وہ داخلے کا فارم بھی لے آیا ہے۔ شیلا نے تعجب بھرے لہجے میں کہا یونیورسٹی!وہاں تو انٹر کے بعد.....راکیش نے فوراً لگام تھامی اور شیلا کو بتایا کچھ یونیورسٹیز نے پرائمری سے ہائر ایجوکیشن کا انتظام کر رکھا ہے۔سنگھ صاحب کا لڑکا نویں کلاس میں داخلہ چاہتا ہے۔ وہ پریشان ہیں کہ اگر اس نے انٹرنس پاس کر لیا تو کیا ہوگا؟ کیسے فیملی سے دور ہاسٹل میں رہے گا؟ کیسے پڑھائی ہوگی؟ اس کا سارا کام تو ماں کرتی ہے وہاں وہ اپنا کام کیسے کرے گا؟ وہ الگ رہے گا تو ہم لوگوں کو بھی ہر وقت اسی کی فکر مارے رہے گی۔ ایک ہی لڑکا ہے، دو، تین ہوتے تو چلو! سوچتے بھی۔اس کی ماں بھی بہت پریشان ہیں۔شیلا یقین جانو، بڑے بابو کی تکلیف سن کر دُکھ تو ہو رہا تھا،لیکن ایک خوشی بھی تھی،وہ یہ کہ اپنا مونو کتنا نیک ہے،اس میں ضد بالکل نہیں ہے اور یہ سب،تمہارا کرشمہ ہے۔شیلا تھوڑا شرما گئی،آہستہ سے اپنی کرسی سے اُٹھی اور ریڈنگ روم میں جھانکا، واپس آئی اور چپکے سے بولی پڑھ رہا ہے اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ راکیش نے کہا شیلا بے چارے وہ بہت مشکل میں ہیں۔شیلا نے بڑی بے رحمی سے کہہ دیا، یہ ان کی بیوی کی غلطی ہے۔ راکیش نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے شیلا کی طرف دیکھا مسکان بھرے چہرے سے کہا،اچھی بیوی ملنا قسمت کی بات ہے۔شیلا اب کچھ سنجیدہ اور غور و فکر میں ڈوبی ہوئی تھی۔اس نے مفکرانہ انداز میں راکیش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،لوگ دیکھتے ہیں،سورج اپنے وقت ہی پر نکلتا ہے، رات، دن سمے پر ہوتے ہیں،موسم سمے پر آتے اور جاتے ہیں، بچہ، جوان اور بوڑھا سب سمے کے انوسار ہو رہے ہیں، سمے پوجنیہ ہے،سو یہ نمسکار سے جگ ظاہر ہے،مگر پتہ نہیں کیوں لوگ نہیں سوچتے؟ بچے برباد ہو رہے ہیں،سنگھ صاحب کی بیوی کو سوچنا چاہیے تھا،شروع سے جو سنسکار بچوں میں ڈالے جاتے ہیں، بچے ویسے ہی اُٹھتے ہیں۔آپ کو یاد ہوگا شروع شروع میں جب ہم نے مونو کو بھور میں اُٹھانے کے لیے الارم لگایا تھا، وہ بات سوچ کر تو اب بھی ہنسی آتی ہے، کچھ دنوں بعد اس نے بڑی معصومیت سے پوچھا تھا، مام کیا چڑیوں کے پاس بھی الارم واچ ہوتی ہے؟ روز یہ بھی اسی وقت اُٹھتی ہیں۔اب دیکھیے،مونو تڑکے اُٹھنے کا عادی ہے۔اب اسے الارم لگانے کی بھی ضرورت نہیں،الارم اس کے دماغ میں فٹ ہے، کیا مجال کہ وہ وقت پر خود بہ خود نہ اُٹھے۔

کچن میں یہ باتیں آیا سن رہی تھی۔ ویسے تو وہ مونو سے پیار کرتی تھی،لیکن نہ جانے کیوں؟ بڑے بابو کا لڑکا اُسے مونو پر بھاری محسوس ہونے لگا۔اس نے اپنے تصور میں اس کی جو تصویر بنائی تھی وہ مونو سے کہیں اچھی تھی۔اس کے دل میں آیا، یہاں سے نوکری چھوڑ کر وہاں چلیں۔ یہ خیال زیادہ دیر تک نہیں سکا۔ یہاں اس کو کافی سہولتیں تھیں۔ ایک تو قریب کا قریب، کام کم، پیسہ وقت پر، پتہ نہیں وہاں کتنے لوگ ہوں کتنی دور ہو؟ یہ سب سوچ کر اس نے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

دل میں بڑے بابو کے لڑکے کی کشش بنی رہی۔ مونو اور اس لڑکے کی خیالی تصویروں میں، وہ بڑا واضح فرق دیکھتی تھی۔ اس کی کلائیاں چمک رہی تھیں اور مونو کے ہاتھوں پر گھڑیاں ہی گھڑیاں۔

راکیش آج آفس سے ذرا تاخیر سے واپس آیا۔ پیشگی خبر وہ دے چکا تھا۔ شیلا مونو ناشتہ کر چکے تھے، لیکن حسب عادت وہ ٹیبل پر ساتھ بیٹھی۔ راکیش نے شیلا کو بتایا بڑے بابو چھٹی پر ہیں، کام بڑھ گیا ہے۔ وہ تیرتھ پر گئے ہیں؟ نہیں نہیں، وہی اپنے لڑکے کو امتحان دلانے گئے ہیں۔ راکیش نے ناراضگی بھرے لہجے میں کہا۔ وہ کسی صورت نہیں مانا۔ میں نے تمہارے ترک بڑے بابو سے بتائے، ان کو پسند آئے، متاثر بھی ہوئے، لیکن لڑکے نے ان کی بھی واٹ نکال دی۔ کہہ دیا سورج، دن، رات اور موسم اچھا وہین ہیں، وہ چاہیں کہ سمے بدل لیں، اس کو اپنے انوسار پریوگ کر لیں، ناممکن، وہ اچھم ہیں، اچھم۔ بے چارے بابو جی کو مجبوراً اس کی ضد کے آگے جھکنا پڑا۔

راکیش لیٹ آیا تھا، پر اتنا بھی لیٹ نہیں کہ شیلا بڑے بابو پر غصّائے۔ اس کو بڑے بابو پر رہ رہ کر غصّہ آ رہا تھا۔ ان کو لے کر نہیں جانا چاہیے تھا، یہ تو اور بگاڑنے کا کام ہے، ضد کر رہا تھا تو کرنے دیتے، آخر رو، دھو کر چپ ہو جاتا۔ راکیش نے کہا نہیں، نہیں شیلا! ایسا نہیں ہوتا، بابو جی نہ جاتے تو وہ اکیلے ہی چلا جاتا، وہ رکنے والا نہیں تھا۔ اب شیلا کا پارا اور چڑھا اور لڑکے پر بخار اترنا شروع ہوا۔ نالائق ہے، ماں، باپ پر کلنک ہے، وہ کچھ نہیں کر سکے گا صرف بگڑے گا، برباد ہوگا، دیکھ لینا۔ کچن میں یہ باتیں آیا سن رہی تھی، اس کے چہرے کا رنگ برابر بدل رہا تھا۔ اس کو شیلا کی باتیں بڑی ناگوار گزر رہی تھیں۔ بڑے بابو تک تو برداشت تھا، لیکن جیسے ہی شیلا نے لڑکے کو برا بھلا کہنا شروع کیا، اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا جسم کانپنے لگا، ہونٹوں میں تھرتھری پیدا ہوئی، چہرہ بھی لال پڑنے لگا۔ اُسے ایسا لگا کہ وہ شیلا کی نوکرانی نہیں لڑکے کی ماں ہے، ماں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شیلا کو کیا جواب دے، کلیجے کی آگ بجھے۔ اس کی نظر دیوار کی گھڑی پر پڑی، اس کی آنکھیں کچھ پھیل گئیں، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا، دیکھ لینا! وہ برباد نہیں ہوگا، گھڑی نہیں بنے گا، گھڑی بنائے گا، گھڑی۔

○○

قلمکاروں سے گزارش

- ہمیں آپ کی گراں قدر نگارشات کا بہت بڑا ذخیرہ بذریعہ ڈاک وای۔ میل موصول ہوتا ہے جس میں زیادہ تر مضامین، شاعری اور افسانے/کہانیاں ہوتی ہیں، وقت کی کمی کے باعث سب کا جواب دینا یا نگارشات واپس کرنا ممکن نہیں ہوتا، اس کو آپ ہماری بے رخی پر محمول نہ کریں بلکہ ہماری مجبوری سمجھیں۔ اگر تین ماہ کے اندر آپ کی تخلیق شائع نہ ہو یا اشاعت کے بارے میں اطلاع نہ ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ادارہ اس کی اشاعت سے قاصر ہے۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ وہ اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنے بینک اکاؤنٹ کی تفصیلات جن میں بینک اکاؤنٹ میں درج نام، اکاؤنٹ نمبر، بینک کا نام اور برانچ اور بینک IFSC کوڈ جو پاس بک اور چیک پر درج ہوتا ہے ضرور بھیجیں تاکہ تحریر شائع ہو جانے پر اعزازیہ بینک کے ذریعہ ٹرانسفر کیا جا سکے۔
- قلمکاروں سے سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔ میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔

—ادارہ